اگست 2015ء

ماہنامہ

سبق پھر پڑھ

لاہور

مدیرِ مسئول

چودھری رحمت علی

دارالسّلام

تمام مسلم ممالک کو ملا کر کُرۂ ارض پر معرضِ وجود
میں آنے والی عظیم تر اسلامی مملکتِ واحدہ کا نام

تحریکِ عظمتِ اسلام

لٹریچر دستیاب ہے (بالکل فری)

آپ اپنی تعلیم، پتہ اور دنیا میں دینِ حق کو سربلند کرنے میں آپ کی تڑپ کے متعلق ایک مختصر جملہ بھیج کر درج ذیل لٹریچر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ خرچہ ڈاک بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔

نام	صفحات
1- اسلام پر کیا گزری	16
2- نظامِ خلافت ہی کیوں؟	16
3- ہماری سمت درست نہیں	16
4- خلافت، فیوض و برکات	08
5- ہمارا تعارف اور ہدف	04

نوٹ:

1- ان پمفلٹس کا صرف ایک سیٹ منگوا سکتے ہیں۔
2- پتہ صاف ستھرا اور واضح لکھیں تاکہ ڈاک کا مسئلہ نہ ہو۔
3- خود بغور پڑھیں اور آگے کسی دوسرے کے حوالے کریں۔
4- طلبا و طالبات کو ترجیح دی جائے گی۔

ملنے کا پتہ: دارالسلام (4 - B / 29) واپڈا ٹاؤن لاہور موبائل: 0300 - 8425428

منزل سے آگے بڑھ کر منزل تلاش کر — مل جائے تجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر
سجدوں سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں — دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر

اے اللہ! ہمیں وہی کام کرنے کی توفیق عطا فرما جو مسلمانانِ عالم کو دنیا میں بالا کر دیں، جو تیرے دین کو غالب کر دیں

سبق پھر پڑھ

ماہنامہ لاہور۔ پاکستان

جلد:25 شمارہ:08 شوال المکرّم 1436ھ اگست 2015ء

اس شمارے میں

☆اداریہ: ایک اہم سنت ____________ 04

☆فاتبعونی (''میری طرح کے کام کرو'') ________ 07

☆ہماری سمت درست نہیں ____________ 09

☆دو نا واجب کام ____________ 23

مقامِ اشاعت

چودھری ال عمران پبلشر نے میٹرو پرنٹرز سے چھپوا کر دارالسلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور سے شائع کیا

CPL NO. 91

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بَلِّغْ

مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ

مُدیر

چودھری رحمت علی مرحوم بابائے خلافت

نوٹ

1۔ عطیات وواجبات بینک الحبیب لمیٹڈ کی برانچ واپڈا ٹاؤن، لاہور کے اکاؤنٹ نمبر 4-01-101 0040-0081-000 میں جمع کروائیں۔

2۔ ''سبق پھر پڑھ'' کی مطلوبہ کاپیاں خرید کر آپ اپنے ہاں مفت یا قیمتاً تقسیم کر کے اشاعتِ دین کے فرضِ منصبی سے عہدہ براء ہو سکتے ہیں۔

3۔ ادارہ کا مضمون نگار سے کلی طور پر اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون

فی شمارہ :-/30 روپے

سالانہ :-/300 روپے

بیرونِ پاکستان منگوانے کے خواہشمند حضرات علیحدہ رابطہ کریں۔

CPL NO. 91

ایک اہم سنت

اداریہ / چودھری رحمت علی

اسوۂ رسول ﷺ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی ایک بڑا بلکہ بہت ہی بڑا اور واضح سبق حاصل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ خود اس نظام کا حصہ نہ بنے جسے کہ آپ ﷺ نے بدلنا تھا۔ متعدد بار قریش حضرت ابوطالب کی وساطت سے یہ مطالبہ لیکر حاضر ہوئے کہ کچھ لے دے کر نبیِ کائنات ﷺ ان کے ہاں رواں دواں کا حصہ بن جائیں۔ ایک دفعہ تو تقریباً تمام روسائے قریش جن میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شامل تھے جتھے کی شکل میں جناب ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے اس لیے یا تو تم بیچ سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں حتمی فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے جانچ لیا کہ نازک موڑ آ گیا ہے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ سے کہا ''جانِ جسم! میرے اوپر اتنا بوجھ ڈال کہ میں اٹھا سکوں''۔ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری پشت و پناہ ظاہر ہے ابوطالب تھے۔ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اب ان کے پائے ثبات میں لغزش ہے۔ آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا ''خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ اللہ اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں

گا''۔آپ ﷺ کی پر اثر اور پر عظم ہمت سے ابو طالب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے' رسول اللہ ﷺ سے کہا'' جاؤ کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کرسکتا''۔

غور طلب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیوں اس قدر محکم اور فیصلہ کن مؤقف اختیار کیا؟ آنے والی نسلوں میں بڑا سبق ہے اس اختیار کئے گئے مؤقف میں۔اپنے عمل سے واضح فرمادیا کہ کوئی انقلابی امتی میری اطاعت میں کسی بھی موڑ پر اس نظام کا حصہ نہ بنے جسے کہ وہ بدلنے کی خواہش رکھتا ہو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مصلحت تھی اس میں کہ نبی کائنات ﷺ باوجود قریش کے بار بار مطالبے کے بضد رہے کہ باطل نظام کا حصہ بن کر اسے تبدیل کرنے سے گریزاں رہے حالانکہ ایسا کرنے سے شعبِ ابی طالب کی اذیتوں' ہجرتوں' غزوات وسرایا وغیرہ کے مصائب سے بچ جاتے۔متعدد رفقاء کی شہادتیں' خود آپ ﷺ کا خون طائف کے بازاروں میں نہ بہتا' غزوۂ احد میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید نہ ہوتے۔اور بھی کئی مصلحتیں تھیں لیکن جو سب سے بڑی مصلحت تھی جسے آپ ﷺ سے زیادہ کون جان سکتا تھا یہ تھی کہ باطل نظام کو بدلنے والے اگر خود اس نظام کا حصہ بن کر اسے بدلنے کی سعی کریں تو وہ نظام کو نہیں بدل پاتے الٹا نظام ان کو بدل دیتا ہے۔

ہمارے ہاں کی دینی سیاسی جماعتوں کا باطل نظام میں شامل ہو کر اس کی اصلاح کرنا کیا شریعت کے خلاف نہیں؟ وہ راستہ اختیار کرنا جو رسول اللہ ﷺ نے حاملینِ نظامِ باطل کے مسلسل اصرار کے باوجود اختیار نہ کیا' کیا اتباعِ رسول ﷺ کی ضد نہیں؟ اللہ کے

ہاں پہنچ کر اپنی غلط روش کو پہچانا تو کس گن؟ نجات اسی میں ہے کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تائب ہو کر اسی طریقۂ تبدیلیٔ نظام کو اختیار کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا۔ آپ نے کیا کیا؟

سیرتِ سرورِ عالم پر یہ جاننے کیلئے نگاہ ڈالیں کہ آپ نے کیا کیا تو عام طور پر شعبِ ابی طالب' طائف کے بازاروں' ہجرتوں' غزوات و سرایہ پر نظر پڑتی ہے۔ ان حادثات و واقعات کی ہرگز نوبت نہ آتی اگر رسول اللہ ﷺ مخالفین کے اس مطالبے کو مان لیتے کہ ''یا تو اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسی میں ترمیم کرو'' (یونس:15) جب ان کی یہ بات نہ مانی گئی تو پھر اذیتیں اور مزاحمتیں۔ تبدیلیٔ نظام کا ہے ہی پروگرام یک نکاتی اور وہ ہے قرآن کا نفاذ۔ جوں جوں قرآنِ مجید کی وحی آتی گئی آپ ﷺ فی الفور اس کو نافذ کرتے گئے۔ دو تبدیلیاں واقع ہوئیں نفاذِ قرآن سے' ایک تو رواں دواں پراگندہ و فرسودہ نظام چلتا بنا دوسرا قرآن و سنت پر مبنی نظام معرضِ وجود میں آتا گیا۔ ایک وقت پر یہ دونوں تبدیلیاں مکمل ہو گئیں۔ مزید وحی کی ضرورت نہ رہی' سلسلۂ نبوت کو بھی ختم کر دیا گیا۔ یہی دو تبدیلیاں آج ہمیں درکار ہیں۔ واقع ہونگی بشرطیکہ ہم قرآنِ مجید کو نافذ کر دیں اور نافذ کرنا مشکل نہیں بشرطیکہ ہم انسانی ہاتھوں لکھے آئینی کتابچے کی بجائے قرآن و سنت کو ہی آئینِ مملکت قرار دیں۔ یاد رہے کسی بھی ملک کا نظام وہاں پر اختیار کیے گئے آئین کا پروڈکٹ ہوتا ہے۔ آئین اشتراکی تو نظام اشتراکیت' آئین جمہوری تو نظام جمہوریت اور آئین قرآن و سنت تو وہ مبارک نظام جس کا نام ہے خلافت۔ انسانی ہاتھوں لکھے آئین کو اختیار کرنے کی اجازت ہی نہیں (بقرۃ:79)۔

فاتبعونی (''میری طرح کے کام کرو'')

لفظ ''**فاتبعونی**'' قرآنِ مجید کی آیۂ مبارکہ نمبر (آلِ عمران: 31) سے لیا گیا ہے اس سے اگلی آیت میں ''**اطیعو اللہ والرسول**'' کے الفاظ آتے ہیں۔ دونوں آیاتِ مقدسہ اصل میں مقامِ رسالت اور کارِ رسالت کو نمایاں طور پر پیش کرتی ہیں۔ فرمایا گیا:

(اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو وہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اگر یہ اطاعت نہ کریں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا'' (آلِ عمران: 31-32)۔

دونوں آیات میں اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کیلئے ایک جگہ پر ''فاتبعونی'' کا لفظ استعمال کیا ہے تو دوسری جگہ پر ''اطیعوا'' کا۔ دونوں الفاظ میں پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس پیروی پیروی میں بہت فرق ہے۔ ایک جگہ پر تو محض پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو دوسری جگہ پر پیروی اس طریقے سیکرنے کا حکم دیا گیا ہے جو طریقہ کسی بھی کام کو کرنے کیلئے رسولِ کائنات ﷺ نے استعمال کیا ہے۔ مثال اس کی اس طرح کہ اقیمو الصلوٰۃ میں تو نماز کا حکم دیا گیا لیکن ہادیٔ برحق نے اس کی مزید تصریح کی تو اس طرح کہ نماز کو اسی طریقے پر پڑھو جیسے کہ مجھے پڑھتے دیکھو۔ مطلب یہ کہ لازم ہے کہ کوئی بھی کام کرو تو اس طریقے سے اور ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کرو جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا۔ اسی سے یکسانیت اور وحدت کا اظہار ہوتا ہے۔ ورنہ اگر ہر مسلمان نماز تو پڑھے لیکن من مرضی کے طریقے سے پڑھے تو یہ کرنا انتشار اور خلفشار کا باعث ہوگا۔

ہمارے ہاں ایک بہت بڑی غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے۔ وہ جو نماز اور روزے کے فرض کو بڑی پابندی سے کرتے ہیں' نظامِ زندگی اس میں بسر اوقات کرتے ہیں جو باطل ہے یعنی قرآن و

سنت کے مطابق نہیں ہے۔ بھول جاتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی اس طریق سے نہیں کرتے جیسے کہ نبی کائنات ﷺ نے کی۔ اللہ کے رسول ﷺ دنیا سے محض نماز روزے کی پابندی کر کے نہیں گئے۔ انہیں جب ایک پراگندہ' فرسودہ اور بیہودہ نظامِ زندگی سے واسطہ پڑا تو اسے بدلا۔ دنیا میں آئے تو دورِ جہالت تھا' دنیا سے تشریف لے گئے تو دورِ خلافت کی داغ بیل ڈال کر۔ آج کے مسلمانوں نے نماز روزے کی پابندی کر کے سمجھ لیا کہ انہوں نے بھرپور دینی فریضہ ادا کر دیا۔ وہی پراگندہ' فرسودہ اور بیہودہ نظام سے واسطہ پڑا تو رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں اسے بدلنے کی سعی بھی نہیں کر رہے۔ باطل نظام میں رہ رہے ہیں لیکن اپنی روش سے اسے جی بھر کر پروموٹ کر رہے ہیں۔ فحش غلطی یہ کہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ کیونکہ وہ نماز روزے کے بڑے پابند ہیں لہٰذا جنت ان کے انتظار میں ہے۔ باطل نظام کو نہ بدلنا بلکہ اس سے سمجھوتہ کیے رکھنا سنتِ طریقِ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔

مسلمان دنیا میں وقت کے موجودہ موڑ پر ذلت و مسکنت سے دوچار ہیں تو اس لیے کہ دینِ حق کو محض نماز روزے تک محدود کر کے وہ شریعت کی جزوی پیروی کر رہے ہیں۔ اللہ کے حضور جائیں گے تو کیا وہ پوچھے گا نہیں کہ تم نے میرے رسول ﷺ کی اتباع کیوں نہ کی؟ ٹھیک ہے نظامِ باطل کا قلع قمع کر کے نظامِ قرآن و سنت کو قائم کرتے تو مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑتا لیکن قرآن ایسی ہی مشکلات و مصائب اور حق کی خاطر پیش آنے والی اذیتوں کو حصولِ جنت کیلئے لازم قرار دیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی تمہیں جنت کا داخلہ مل جائے گا' حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے' حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی..... اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے'' (بقرۃ:214)۔

ہماری سمت درست نہیں

(ہم قرآن وسنت پر مبنی دین سے کوسوں دور ہیں)

..... چودھری رحمت علی

پین خواہ پارکر کا ہو، ہیرو کا یا کسی اور بہتر قسم کا لکھے گا نہیں جب تک اس میں روشنائی نہ بھری جائے۔ ہر دو صورتوں میں پین کی بظاہر شکل وصورت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ پین ہر حالت میں ٹھیک ٹھاک پین ہی نظر آئے گا لیکن اس میں سیاہی کے ہونے اور نہ ہونے یا دوسرے لفظوں میں اس کے کارآمد حالت میں ہونے یا نہ ہونے سے زمین وآسمان کا فرق پڑ جائے گا۔

آپ اگر کپڑے کو سرخ رنگ دینا چاہیں تو یہ ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ آپ مطلوبہ کپڑے کو سرخ رنگ سے ایک خاص طریقہ اختیار کرتے ہوئے رنگیں۔ آپ اگر سرخ رنگ کی بجائے کوئی اور رنگ استعمال کر لیں یا ایسا سرخ رنگ استعمال کریں جو اپنی افادیت کھو چکا ہو یا رنگ تو سرخ بھی ہو، اور ٹھیک ٹھاک بھی لیکن آپ اسے مخصوص طریقے سے استعمال نہ کریں تو کپڑا سرخ رنگ میں رنگا نہیں جائے گا خواہ آپ لاکھ دوسرے جتن اختیار کریں۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے ذرا یہ غور فرمائیں کہ قرآن وسنت کا انمول خزانہ آج اسی طرح ہمارے پاس موجود ہے جس طرح کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں تھا۔ بلکہ دیکھا جائے تو احادیثِ مبارکہ جیسے آج ہمارے ہاں مدون حالت میں ہیں دورِ خلافتِ راشدہ میں نہ تھیں۔ بایں ہمہ دینِ اسلام کی وہ برکات جو پوری انسانیت کو دورِ خلافتِ راشدہ میں میسر تھیں ان کا عشرِ عشیر بھی آج ہمیں حاصل نہیں۔ وجہ کیا ہوئی ہے؟ جب دینِ حق آج بھی قرآن وسنت کی صورت میں من و عن موجود ہے تو پھر ہمیں ان کے فوائد وفیوض کیوں حاصل نہیں ہو رہے؟ اصل میں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن وسنت کے سنہرے ضابطے اور بے مثل قوانین آج بھی ہمارے ہاں اسی طرح

موجود ہیں جیسے کہ خلافتِ راشدہ کے سنہری دور میں تھے۔ البتہ فرق پڑا ہے تو اتنا کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں ان اصولوں اور ضابطوں کو ہماری طرح محض پڑھ چھوڑنے اور ذہنی موشگافیوں تک محدود نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کو بالفعل نافذ کر دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے جب کوئی دوائی کھائی ہی نہ جائے تو اس کے اثرات مرتب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ یاد رہے قرآن وسنت کے قوانین لاکھ بے مثل و یکتا سہی' اگر صرف قرآن و کتبِ احادیث تک محدود رہیں تو محض ایک نظریہ' ایک فلسفہ اور ایک تھیوری کی حیثیت اختیار کیے رکھیں گے۔ ہاں اگر یہ بے مثل قوانین کسی خطۂ زمین میں عملاً نافذ کر دیے جائیں تو یہی خلافت ہے' لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں وہ برکات وثمرات حاصل نہ ہوں جو دورِ خلافتِ راشدہ میں حاصل تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب یہ آخری آیات نازل ہوئیں کہ ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا'' تو اس وقت ان قوانین وضوابط کو ہی مکمل نہ کیا جو آج بھی قرآن وسنت میں موجود ہیں بلکہ ان قوانین وضوابط کی روشنی میں ایک نظامِ حکومت' ایک نظامِ زندگی اور ایک نظامِ عدل وقسط کو بھی متوازاً اپنی پوری وسعتوں اور رعنائیوں کے ساتھ معرضِ وجود میں لایا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا یعنی اگر قرآن وسنت پر مبنی نظامِ خلافت معرضِ وجود میں نہ آتا اور قرآن وسنت کے احکام محض کاغذی صفحات تک ہی محدود رہتے تو انسانیت اس وقت بھی نظامِ خلافت کی برکات سے اسی طرح محروم رہتی جیسے کہ وہ آج محروم ہے۔ آج ہم دینِ اسلام کی برکات سے محروم ہیں تو اس لیے کہ دنیا بھر میں کوئی ایک انچ بھر بھی خطہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں قرآن وسنت پر مبنی نظام اپنی پوری آن شان کے ساتھ موجود ہو۔ محض یہ حقیقت کہ قرآن وسنت کے قوانین وضوابط بڑے مکمل' حتمی اور سنہری ہیں نافذ کیے بغیر اسی طرح مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتے جس طرح کہ بہترین پین بغیر روشنائی لکھ نہیں سکتا اور بہترین بلب بغیر کرنٹ روشنی دینے سے قاصر رہتا ہے۔

موجودہ نظام یا رواں دواں طرزِ زندگی جب قوانین قرآن وسنت پر مبنی ہی نہیں اور جب دنیا میں نظامِ خلافت کہیں موجود ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ ہم ایک باطل نظام کے تحت زندگیاں

گزار رہے ہیں اور ایسے میں ہمارا دورِ خلافتِ راشدہ کے فوائد و فیوض کی امید رکھنا جہالت ہی نہیں حماقت بھی ہے۔ ایسے دین یا طرزِ زندگی کو اختیار کر کے کہ جس کا قرآن وسنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہم مسلمان اس دنیا میں ذلت ورسوائی کا شکار اور کفار ومشرکین کے غلبے کی یلغار سے متاثر ومرعوب تو ہیں ہی، یہ جعلی اور نمائشی دین قیامت کو بھی ہمارے لیے خسارے کا موجب ہوگا۔ قرآنِ مجید میں دوٹوک آیا:

''اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو اپنائے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا'' (آلِ عمران:85)۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ دین جسے ہم اختیار کیے ہوئے ہیں قرآن وسنت والا دین نہیں تو پھر قرآن وسنت والا دین کون سا ہے؟ قرآن وسنت والا دین جسے ہم آئندہ صفحات میں بیان کرتے ہیں کچھ ذاتی اوصاف رکھتا ہے تو کچھ اثراتی یعنی اس کی کچھ خوبیاں اور علامات تو ایسی ہیں کہ جو اس کی ذات اور ذاتی پہچان کے متعلق ہیں، اور اس کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں کہ جب دینِ حق دنیا میں اپنی اصلی حالت میں متمکن اور جلوہ افروز ہو تو مخصوص اثرات وثمرات برآمد ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت والے دین کو جاننے کیلئے آئندہ صفحات میں ہم دینِ حق کے انہی ذاتی و اثراتی اوصاف پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ذاتی اوصاف

ذاتی خصائص واوصاف کو اگر ایک جملے میں بیان کریں تو بس یہی کہ وہی خصوصیات جو نظامِ خلافتِ راشدہ یا نظامِ خلافت کی۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآن وسنت کی تعلیمات و احکامات اگر ان مقدس کتابوں کے صفحات تک محدود رہیں تو محض ایک تھیوری، نظریہ یا فلسفہ ہیں۔ البتہ جب یہ نظریہ وفلسفہ کسی خطۂ زمین میں عملاً نافذ کر دیا جائے تو یہی خلافت، خلافتِ راشدہ، دینِ حق یا قرآن وسنت پر مبنی نظامِ حیات ہوتا ہے۔ قرآن وسنت والا دین جب وہی ہے جس کا عملی ظہور خلافتِ راشدہ یا نظامِ خلافت ہے تو آیئے تجزیہ کریں کہ نظامِ خلافتِ راشدہ کی خصوصیات کیا

تھیں؟

1- پوری مسلم دنیا ایک خلیفہ کی سرکردگی میں

نظامِ خلافت یا دینِ حق کی پہلی ذاتی خاصیت یہ کہ پوری اسلامی دنیا ایک خلیفہ کی سرکردگی میں ہو۔ یاد رہے دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلامی مملکت کی حدود مراکش سے چین تک پھیل گئیں لیکن ایسے میں بھی اور اس زمانے میں جب کہ وہ ذرائع آمد و رفت اور ذرائع ابلاغ جو آج انسانیت کو میسر ہیں حاصل نہ تھے' اسلامی مملکت بہرحال ایک خلیفہ کی سرکردگی میں رہی۔ اسلامی نظامِ زندگی میں انحطاط آیا ہی تو اس وقت جب پہلے اسلامی نظامِ حکومت زوال پذیر ہوا۔ تاریخ شاہد جب اسلامی مملکت ایک خلیفہ کی بجائے دو حکمرانوں میں منقسم ہوگئی تو انحطاط و زوال شروع ہو گیا۔ پھر جوں جوں حکمرانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور اسلامی دنیا مزید منقسم ہوتی گئی اسلام والے بھی انحطاط کی گہرائیوں میں مزید لڑھکتے چلے گئے حتیٰ کہ اسلامی دنیا پر وہ وقت بھی آیا کہ مسلمانانِ عالم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے اور اغیار کیلئے ترنوالہ بن گئے۔ یہ عمل کسی نہ کسی طور آج تک جاری ہے۔

اس میں کیا شک کہ جب اسلامی دنیا کے ذرائع و وسائل ایک ہاتھ میں مجتمع تھے یا بالفاظِ دیگر دینِ حق' نظامِ خلافت کی شکل میں موجود تھا تو اسلام والے دنیا میں بطور غالب قوت موجود تھے اور جب یہی ذرائع و وسائل اَن گنت ہاتھوں میں تقسیم ہوگئے یا نظامِ خلافت نہ رہا تو مسلمانوں کی ہوا اڑ گئی۔ اپنے ہی یہ ذرائع و وسائل نہ صرف ایک دوسرے سے ٹکرا گئے بلکہ اغیار کو بھی موقع مل گیا کہ وہ ان ذرائع و وسائل کو جیسے چاہیں لوٹیں اور اپنے استعمال میں لائیں۔ وقت کے اس موڑ پر جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں خلیج کا علاقہ جو مسلم دنیا میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے تیل' سونے اور معدنیات کے وافر ذخائر دے رکھے ہیں طاغوتی طاقتوں کی دست برد میں ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ طاغوتی طاقتیں باقی اسلامی دنیا پر گاڑھے پنجے گاڑ رہی ہیں۔

2- امتِ مسلمہ کے وجود کی برقراری

خلافتِ راشدہ کی دوسری بڑی علامت امتِ مسلمہ کے وجود کا معرضِ وجود میں آنا اور قائم ودائم رہنا ہے۔ عرب ایک منتشر ومتفرق قوم تھی جو اسلام سے پہلے اَن گنت قبائل میں منقسم تھی۔ دورِ نبوت کے ایک طرف دورِ جہالت تو دوسری طرف دورِ خلافتِ راشدہ۔ دورِ جہالت' دورِ خلافت میں بدلا تو تین مہیب تبدیلیوں کے واقع ہونے سے۔ عرب بہت سے خداؤں کو مانتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو یہ کہ تم غلط سمت میں جا رہے ہو' اللہ صرف ایک ہے۔ عرب اَن گنت قبائل میں منقسم تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان تمام سردارانِ قبائل کو ختم کر کے ایک خلیفہ کی گنجائش پیدا کی۔ عرب میں صرف یہی نہیں کہ کوئی مرکزی حکومت نہ تھی' کوئی بنیادی اور اٹل قانون بھی نہ تھا۔ ہر قبیلے کے اپنے اپنے قوانین بلکہ رسومات تھیں اور یہی رسومات کا مختلف ہونا ان کے ہاں اکثر نزاع کا باعث بنتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام خود ساختہ قوانین ورسومات کو ختم کر کے قرآن کی شکل میں انہیں ایک قانون کا پابند کر دیا۔ یوں جب عرب ایک اللہ' ایک رہنما اور ایک قانون کے پابند ہو گئے تو نتیجہ کے طور پر وہ امت معرضِ وجود میں آ گئی جسے قرآن ''خیرِ امت'' اور ''امتِ وسط'' کے عظیم القابات سے یاد کرتا ہے۔

آج مسلم دنیا جب ایک مملکت کی شکل میں اور ایک رہنما یعنی خلیفہ کی سرکردگی میں نہ رہی تو امت کا وجود بھی ختم ہو گیا' اَن گنت قومیں وجود میں آ گئیں۔ آج مسلمانوں پر کوئی 57 حکمران مسلط ہیں تو نتیجہ کے طور پر اتنی ہی قومیں معرضِ وجود میں آ گئی ہیں' کوئی شامی قوم تو کوئی مصری قوم اور کوئی ایرانی قوم تو کوئی پاکستانی قوم۔ امت کا وجود صرف اس بدنظمی کی وجہ سے ہی ختم نہیں ہوا بلکہ مقاصد کے اعتبار سے بھی۔ یہ پین جس سے میں لکھ رہا ہوں اسی وقت تک پین ہی ہے جب تک یہ اپنے مقصد یعنی لکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔ لکھنے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہی اس کا وجود بے معنی ہو کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کی رو سے مسلمانوں کے کچھ ایسے فرائضِ منصبی ہیں جو صرف اور صرف

امت کی سطح پر ہی سرانجام دیے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان فرائض میں ایک فرض دنیا کی قیادت کرنا ہے۔ جب امت اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے کے قابل نہ رہی تو ناکارہ پین کی طرح اپنے وجود ہی کو کھو بیٹھی۔ آج کی دنیا میں امت امتِ مسلمہ کا کوئی وجود نہیں۔

3- منفرد طرزِ انتخابات

خلافتِ راشدہ کی ایک اور خاصیت ایسی کہ دنیا کے نظاموں سے قطعی مختلف اور منفرد۔ چاروں خلفائے راشدہ کا انتخاب گو قدرے مختلف انداز سے ہوا لیکن ہر طرزِ انتخاب میں درج ذیل چھ اصولوں کی سختی سے پیروی کی گئی۔

☆ قرآنی معیارِ اہلیت کے پانچ اوصاف یعنی ایمان (نور:55)' تقویٰ (حجرات:13)' صلاح (نور:55)' علم اور جسم (البقرۃ:247) کے بدرجہ اتم حامل فرد کو خلیفہ وقت چنا گیا۔

☆ خلیفہ کا چناؤ ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر نہیں' محض اربابِ حل وعقد کی سطح پر کیا گیا یعنی انتخاب میں صرف ایسے افراد کی رائے لی گئی جو پہلے سے معاشرے میں ذمہ دارانہ حیثیت کے حامل تھے یا کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔

☆ ولی عہد بنانے کی قطعی ممانعت

ایک دفعہ منتخب ہونے والے خلیفہ کو ہٹانا صرف درج ذیل تین صورتوں میں جائز ٹھہرا ورنہ تاحیات قائم ودائم۔

..... وفات پاجانے کی صورت میں

..... ازخود معذرت کر لینے کی صورت میں

..... قرآنی معیارِ اہلیت میں سے کسی ایک یا زیادہ اہلیتوں میں کمی آنے کی صورت میں۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں مؤخر الذکر دونوں صورتوں کی نوبت نہ آئی لہٰذا پہلی صورت کو اختیار کیا گیا۔

☆ خود کو منصبِ خلافت کیلئے پیش کرنے کی قطعی ممانعت' امیدوار کھڑے ہو کر اپنے حق میں کنونسنگ کرنے کی کوئی مثال نہیں۔

☆ خلیفہ کو ووٹ کا نہیں' اس کے برعکس عوام کا محتاج بنایا گیا کہ وہ اپنے میں سے اہل تر شخص کو ڈھونڈ کر منصبِ خلافت پر متمکن کریں۔ منصبِ خلافت سونپا ہوا تھا نہ کہ حاصل کردہ۔ جبری بیعت و بادشاہت کا کوئی سوال نہیں۔

4- خلیفہ کا منفرد طرزِ زندگی

خلافتِ راشدہ کی تیسری بڑی علامت خلیفۂ وقت کا منفرد طرزِ زندگی تھا۔ خلافتِ راشدہ میں امراء' حکماء' تجار وغیرہ کی زندگی میں تو قدرے پر تعیش لوازمات اور شان و شوکت کے آثار قابلِ برداشت تھے لیکن لازم تھا کہ خلیفۂ وقت ایک اوسط شہری کے معیار کی زندگی گزارے۔ اس کی بود و باش پر خود عائد کردہ پابندیاں تھیں۔ خلافت و بادشاہت کا یہی فرق واقعات کی دنیا میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ جب خلیفۂ وقت ہوتا ہی پیوند لگے لباس اور کچے جھونپڑے میں تو منصبِ خلافت قبول کیا جاتا تھا محض ذمہ داریاں نبھانے کیلئے نہ کہ تجوریاں بھرنے کیلئے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلامی مملکت کی حدود پھیلتے پھیلتے تو آدھی دنیا پر محیط ہو چکی تھیں' لیکن خلیفۂ وقت وہی کھاتا تھا جو عام شہری' وہی پہنتا تھا جو عام شہری' شاہی محلات کا کوئی وجود نہ تھا۔ حاجب و دربان خلیفۂ وقت اور عوام میں حائل نہ تھے۔ خلیفۂ وقت عوام کے ساتھ ان کی صفوں میں نماز پڑھتا تھا۔ جمعہ' عیدین' حج کا خطبہ خود دیتا تھا۔ ضرورت پڑے تو عدالتوں میں عام شہری کی طرح خود حاضر ہوتا تھا۔

5- شورائی نہ کہ جمہوری نظام

خلافتِ راشدہ کی ایک اور نمایاں علامت یہ کہ خلیفۂ وقت کو امورِ مملکت لازماً مشورہ سے چلانا ہوتے تھے۔ وہ ادارہ جسے عام طور پر پارلیمنٹ کہا جاتا ہے' اسلام نے اس کا نام ہی شوریٰ

رکھا ہے۔شورائی نظام اور جمہوری نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ شورائی نظام میں تمام امورِ زندگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے مطابق چلانا ہوتے ہیں جبکہ جمہوری نظام میں عوام الناس کی مرضی سے۔یہیں سے یہ فرق بھی پڑ جاتا ہے کہ جمہوریت میں اکثریت کی رائے اقلیت پر حاوی ہوتی ہے خواہ اکثریت والے کسی ذاتی اور نفسانی خواہش کا شکار ہی کیوں نہ ہوں۔اسلام میں اکثریت کی رائے کو ٹالا بھی جا سکتا ہے حتیٰ کہ ایک فرد کی رائے پورے ایوان پر غالب آ سکتی ہے بشرطیکہ وہ ایک فرد قرآن وسنت سے جواز ڈھونڈ لائے۔اسی بنیاد پر خود خلیفۂ وقت پورے ایوان کی رائے کو ٹھکرا سکتا ہے۔حضرت ابوصدیقؓ کی رائے مانعین زکوٰۃ اور لشکرِ اسامہؓ کے متعلق پورے ایوان کی رائے پر غالب آئی۔

اسلام میں قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' شوریٰ صرف اللہ ورسول اللہ ﷺ کے احکامات کی توضیح کر سکتی ہے یا قرآن وسنت کی روشنی میں کسی نئی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ذیلی تفصیلات طے کر سکتی ہے۔مثال کے طور پر شوریٰ یہ تو مشورہ دے سکتی ہے کہ وقت کے کسی بھی موڑ پر اسلامی مملکت کے کتنے صوبے اور کتنے گورنر ہوں لیکن وہ یہ نہیں کر سکتی کہ کسی غیر مسلم کو اولی الامر میں شامل کر کے اسے گورنر' وزیر یا جج بنا دے۔

6- حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا منفرد تصور

دورِ خلافتِ راشدہ میں ہمیں ایسی سیاسی پارٹیوں کا وجود کہ جو متحارب گروہوں کا روپ دھارے ہوئے ہوں قطعاً نہیں ملتا۔نہ صرف یہ بلکہ ہمارے ہاں کے مروجہ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف تک کا وجود کہیں نظر نہیں آتا۔وہ احباب جو کسی نہ کسی طور حکومتی ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے وہ تو حزبِ اقتدار تھے' باقی پوری امت حزبِ اختلاف تھی۔امت کا کوئی بھی فرد کسی بھی وقت حکمرانوں کا دامن پکڑ کر احتساب کر سکتا تھا۔تعاون وعدم تعاون کا بڑا محکم اصول کارفرما تھا اور وہ یہ کہ ''جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو' اللہ سے ڈرو' اس کی سزا بہت سخت ہے'' (مائدہ:2)۔ہمارے ایوان

میں آج پائے جانے والے حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کہ جن کا کام اپنی پارٹی والوں کو بہر طور سراہنا اور مخالفین کو بہر حال لتاڑنا ہوتا ہے مغربی دنیا کی پیداوار ہیں اور اسلام سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔

7- قرآن وسنت بطور آئینِ مملکت

دورِ خلافتِ راشدہ میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند افراد اپنے ہاتھوں سے ایک کتابچہ لکھ کر اسے آئینِ مملکت قرار دے دیں۔ ایسا ہوتا بھی تو کیوں؟ یوں ہوتا تو ایسا ہی ہوتا کہ یدِ بیضا تو بغل میں ہو اور موم بتیوں کا سہارا لیا جائے۔ اس سے بڑی ناقدری، ناشکری بلکہ اللہ ورسول ﷺ سے بغاوت کا اور کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی دوسری اقوام پر ایک بڑی فوقیت ہے ہی یہی کہ ان کے پاس تو قرآن وسنت کی شکل میں ازلی وابدی آئین ہے جبکہ آفاقی رہنمائی سے محروم انسان اپنے آپ کو تجربات کے سپرد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اصل میں آئین ایک ایسی دستاویز ہے جو کسی بھی نظام کو معرضِ وجود میں لاتی اور ایک نظام کو دوسرے نظام سے ممیّز کرتی ہے۔ کمیونزم اس لیے مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے مختلف ہے کہ دونوں کا آئین مختلف ہے۔ اگر روس کا آئین امریکہ میں اور امریکہ کا آئین روس میں نافذ کر دیا جائے تو روس میں جمہوری نظام اور امریکہ میں کمیونزم رواں دواں ہو جائیں گے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں اگر قرآن وسنت کو آئینِ مملکت نہ بنایا جاتا اور اس کی بجائے ایسا خود ساختہ آئین نافذ کیا جاتا جیسا کہ اس وقت پاکستان میں ہے تو خلافتِ راشدہ کا مبارک دور اس وقت بھی کبھی معرضِ وجود میں نہ آتا۔ دورِ خلافتِ راشدہ اس لیے پوری انسانی تاریخ میں یکتا ومنفرد ہے کہ قرآن وسنت پر مشتمل آئین یکتا ومنفرد ہے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر کوئی لاکھ سر مارے خلافتِ راشدہ کی طرح کا دور قطعاً اور ہرگز معرضِ وجود میں نہیں آ سکتا۔

8- عدلیہ قطعی آزاد

دورِ خلافتِ راشدہ کی ایک اور امتیازی علامت عدلیہ کا قطعی طور پر آزاد ہونا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں قاضیوں کا تقرر کرتے تو خلفاء ہی تھے لیکن جب وہ مقرر ہو جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کا خوف اور علم و ضمیر کے دباؤ کے علاوہ ان پر کوئی دوسرا دباؤ نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ خلیفۂ وقت کے خلاف فیصلہ جاتا تو قاضی بے دھڑک دیتا تھا۔ کسی بڑے سے بڑے حاکم کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ عدالت کے کام میں مداخلت کرے اور مجرم کی سزا معاف یا کم ہی کر سکے۔

پیشتر اس کے کہ ہم قلم کا رخ نظامِ خلافت کی ذاتی خصوصیات سے اثراتی خصوصیات کی طرف منتقل کریں' سو بات کی ایک بات جو بڑی توجہ سے نوٹ کرنے کی ہے یہ ہے کہ مندرجہ بالا خصوصیات میں سے اگر ایک خاصیت بھی کم ہو جائے تو نتیجے کے طور پر کوئی آدھا پونا اسلام تو معرضِ وجود میں آ سکتا ہے' نظامِ خلافت ہرگز نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ آدھا پونا اسلام نہ تو مطلوبہ نتائج ہی پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہی خالقِ کائنات کے ہاں قابلِ قبول ہے اس لیے کہ انسانوں سے اللہ کا مطالبہ ہے ہی ''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا'' (بقرۃ:2)۔

نظامِ خلافت کی اثراتی خصوصیات

نظامِ خلافت یوں تو سراپا رحمت و سعادت' صرف مسلمانوں کیلئے ہی نہیں' غیر مسلموں کیلئے ہی نہیں' چرندوں' پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کیلئے بھی لیکن درج ذیل چار خصوصیات تو ایسی ہیں کہ جن کا ذکر از بس ضروری ہے

1-غلبۂ اسلام

لاریب' دنیا میں جب قرآن و سنت پر مبنی نظامِ خلافت رواں دواں تھا تو دنیا میں غلبہ بھی اسلام والوں کا تھا۔ دورِ خلافتِ راشدہ تو تقریباً 30 سال پر محیط رہا لیکن جیسے کہ ایک وقت کا لگایا ہوا پھلدار درخت سالہا سال ثمر بار ہوتا رہتا ہے' مسلمان دنیا میں تقریباً گیارہ سو سال بطور غالب قوت رہے۔ ان کے پائے کی زیرِ آسمان کوئی دوسری طاقت نہ تھی۔ آج کی دنیا میں کفر کے

غلبہ کا ہونا اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ نظامِ خلافت آج دنیا میں کہیں نہیں۔

2- امن

نظامِ خلافت کا دوسرا بڑا ثمر امن وسلامتی کے دور دورہ ہونے کا ہے۔ قرآنِ مجید نے ایک ہی آیت میں ان دونوں ثمرات یعنی غلبۂ دینِ حق اور امن کا ذکر یوں کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے اس دین کو غالب کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں'' (نور:55)۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک موقع پر ''امن'' ہی کو نظامِ خلافت کی اثراتی علامت قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت (جب نظامِ خلافت رواں دواں ہوگا) زیورات سے آراستہ ایک عورت صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گی لیکن کیا مجال اسے اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی اور دھڑکا ہو۔ شومئ قسمت آج کی دنیا میں اگر امن وسلامتی کی بجائے بدامنی اور دہشت گردی کا دور دورہ ہے تو یہ اس لیے کہ جس دین کو ہم دینِ حق سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہیں اس کا قرآن وسنت کے دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

3- عدل وقسط

نظامِ خلافت رواں دواں ہو تو لازمی ہے کہ دنیا میں عدل واحسان کا دور دورہ بھی ہو۔ تاریخ کے ورق الٹئے' دورِ خلافتِ راشدہ میں ایسا ہی تھا۔ عدل وقسط کو بھی خود اللہ تعالیٰ نے نظامِ خلافت کا ثمر قرار دیا ہے۔ قرآن میں آیا:

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا' اور ان کے ساتھ

کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ عدل وقسط پر قائم ہوں‘‘ (حدید:25)۔

اسلامی حکومت کے فرائضِ منصبی میں سے ایک بڑا فرض ’’قیامِ عدل‘‘ قرار دیا۔ فرمایا:

’’مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے‘‘ (نساء:58)۔

اور تو اور رسول اللہ ﷺ کو عدل کی تاکید کی گئی تو اس طرح کہ:

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں‘‘ (شوریٰ:15)۔

دورِ خلافتِ راشدہ پر نظر دوڑائیں تو عدل واحسان کی حیران کن مثالیں سامنے آتی ہیں کہیں خلیفۂ وقت اور ایک ادنیٰ ملازم سفر میں باری باری سوار ہوتے ہیں تو کہیں اس دور کے مسلمان خود بھوکے رہ کر اوروں کو کھلاتے نظر آتے ہیں۔ کبھی خلیفۂ وقت قاضیٔ وقت کی عدالت میں کھڑا نظر آتا ہے تو کبھی خلیفۂ وقت اپنے لختِ جگر کو اپنے سامنے کوڑے لگواتا ہے۔ اس سے عدل وقسط کا اور کونسا بڑا اظہار کہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دشمن کی دشمنی کسی کو عدل و قسط سے باز رکھے۔ فرمایا گیا:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور عدل کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی بھی تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کیا کرو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ پوری طرح سے باخبر ہے‘‘ (مائدہ:8)۔

مزید تاکید کی گئی تو یوں:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑے۔ فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ

ہے لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے‘‘ (نساء:135)۔

اصل میں اسلام انسانیت کا دین ہے‘ فریقین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم وہ فیصلہ میرٹ پر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظلم خواہ مسلم دنیا میں ہو یا غیر مسلم دنیا میں اللہ تعالیٰ ایسے ظلم کو فتنہ قرار دے کر لازم ٹھہراتا ہے کہ مسلمان اس کا قلع قمع کریں۔ دوسری اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کی غایت ہی یہ ہے کہ دنیا میں ہر اس شخص یا قوم سے وہ سکت چھین لی جائے جس کے بل بوتے پر کوئی ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ نظامِ خلافت تحفظِ مال و جاں‘ حرمتِ آبرو‘ آزادیٔ اظہار رائے‘ آزادیٔ ضمیر و عقیدہ‘ حصولِ انصاف‘ حقِ اجرت و معاوضہ وغیرہ کو ہر فرد کیلئے بطور انسان یقینی بناتا ہے نہ کہ بطور مسلمان۔

اس دھرتی کے مکینوں کو آج اگر بے اعتدالی و بے انصافی‘ ظلم و ستم‘ افراط و تفریط‘ استحصال و استعمار وغیرہ کا سامنا ہے تو محض اس لیے کہ نظامِ خلافت آج کی دنیا میں کہیں نہیں۔

4- خوشحالی و فارغ البالی

نظامِ خلافت کا ایک اور طرۂ امتیاز خوشحالی و فارغ البالی ہے۔ آج ایسا تو نہیں کہ اس دھرتی کے مکیں سو فیصد بھوک و افلاس کی زد میں ہوں‘ اصل میں یہ دنیا افراط و تفریط کی شکار ہے۔ مسلم دنیا کو ہی لے لیں۔ باوجود اسکے کہ مسلمانوں کے پاس سونے‘ معدنیات اور تیل کے وافر ذخائر موجود ہیں‘ مجموعی طور پر مسلمان دنیا کی ایک مفلوک الحال‘ پسماندہ اور درماندہ قوم ہے۔ اغیار نے بڑی ہوشیاری سے اسے (Third World) تیسری دنیا میں شامل کر رکھا ہے حالانکہ جب وہ ایسا کہتے ہیں تو ان کا اصل مقصد تیسرے درجے (Third Class) کی قوم کہنا ہوتا ہے۔ نظامِ خلافت قائم ہوتا تو ہمارے ہاں دودھ کی نہریں بہہ رہی ہوتیں۔ جس طرح آج ہم نے قرآن و سنت کے نظام کو کہیں نافذ نہیں کر رکھا‘ اسی طرح اہلِ کتاب نے بھی تورات و انجیل کے نظام کو قائم نہ کیا تو قرآنِ مجید میں ان کے کردار کی تصویر کشی کی گئی تو اس طرح:

''کاش انہوں نے (اہلِ کتاب نے) توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لئے اوپر سے بھی رزق برستا اور قدموں کے نیچے سے بھی رزق ابلتا'' (مائدہ:66)۔

یہ تمام ثمرات و برکات.....غلبۂ امن، عدل، خوشحالی مسلمانوں کو دورِ خلافتِ راشدہ میں بدرجہ اتم حاصل تھیں۔ جوں جوں ہم اس سنہری دور سے دور ہوتے چلے گئے یا بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت میں دراڑیں پڑتی گئیں سب کچھ ہوتے ہوئے مسلمانانِ عالم کی بے بسی و بے کسی اور پسماندگی و درماندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ قرآن و سنت کا نظام قائم و دائم رہتا تو مسلمانوں کو آج یوں برے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ وہ قوم جو آج بحیثیت مجموعی پسماندگی و درماندگی اور باہمی منافرت کا شکار ہو کر طاغوتی طاقتوں کیلئے لقمۂ تر بنی ہوئی ہے اسے یقین کر لینا چاہیے کہ وہ اللہ و رسول اللہ ﷺ کی طاعت سے نکل چکی ہے۔

یاد رہے قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ نظامِ خلافت ایک بار پھر اس دھرتی کا مقدر نہ بنے گا۔ ایسا ہونا لازمی ہے، اس لیے کہ یہ نبی رحمت ﷺ کا فرمایا ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کون خوش قسمت اس کارِ عظیم میں حصہ ڈال جاتا ہے اور کون نامراد و ناہنجار محروم و تہی دست ہی اپنے رب کی طرف لوٹتا ہے۔

یاد رہے مغرب ہو یا مشرق، ہر طرف سے اسی اسلام کا مطالبہ ہے جس کے ماننے والے آخرت ہی میں نہیں بلکہ دورِ خلافتِ راشدہ کی طرح اس دنیا میں بھی جاہ و حشمت کے حامل اور ایک ناقابلِ تسخیر قوت ہوں۔ روحانی کمالات کا سلسلہ طے کرنے کیلئے تو دنیا کے دوسرے مذاہب بھی بہت سی ترکیبیں بتاتے ہیں۔ اسلام کا ہدف اکا دکا بیلی پیر و فقیر پیدا کرنا نہیں، زیرِ آسمان اس دھرتی پر قرآن و سنت کی رہنمائی میں ایک فلاحی و مثالی معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ اس سے بڑا خدا رسیدہ کون ہو سکتا ہے جو غلبۂ دین کیلئے اپنا تن من دھن اللہ کی راہ میں لگا دے۔ وہ جو اٹھتے بیٹھتے لمبے چوڑے وظائف کا ورد کرتے ہیں اسلام کو آج مغلوب و مرعوب دیکھ کر مضطرب کیوں نہیں ہوتے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کا دین محض ان کی نفسیاتی تسکین کا سامان ہو؟ آخر کیا وجہ ہے کہ خلافتِ اسلامی کے نہ ہونے کو پوری امت نے آج ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا ہوا ہے؟

دو ناواجب کام

..... چودھری رحمت علی

دو ناواجب بلکہ باغیانہ کاموں میں سے ایک تو وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''کرو'' لیکن مسلمان نہیں کر رہے اور دوسرا وہ ہے کہ جس کے متعلق کہا گیا کہ ''نہ کرو'' اور امتِ مسلمہ اسے ڈھٹائی سے کر رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دو نافرمانیاں کہ کرنے والے کام کو دورِ حاضر کے مسلمان نہیں کر رہے اور نہ کرنے والے کام کو بڑی دلجمعی اور دل وابستگی سے کر رہے ہیں' امتِ مسلمہ کی ذلت' رسوائی' گراوٹ اور پستی کا باعث ہیں۔ ذیل میں ان کے متعلق تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔

کرنے والا کام ہے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' اس عظیم کام کی اہمیت ہے تو اس قدر کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ اسے امتِ مسلمہ کیلئے فرضِ عین قرار دیا ہے بلکہ اسے امتِ مسلمہ کی ہستی اور مقصدِ تخلیق بھی قرار دیا ہے۔ اور اس بڑے اور اہم کام کی قرآنِ مجید میں بطورِ خاص تاکید کی ہے۔ اور اس کام کو کرنے کی عظمت کے طور پر امتِ مسلمہ کو ''خیرِ امت'' کے عظیم لقب سے نوازا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا کہ مسلمانو!

''اب دنیا میں وہ بہترین امت تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (آلِ عمران:110)۔

یہ بھی فرمایا کہ ایسی امت کا دنیا میں ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ اہلِ دنیا کو سنوار کر رکھنے اور بگاڑ سے بچانے کے علاوہ ایسے گروہ کی ضرورت ہے جو دنیا میں نیکی' بھلائی اور خیر خواہی کی طرف بلائے۔ یہ بھی فرمایا کہ انسانوں کا ایسا ہی گروہ فلاح و سرخروئی کا مستحق ہوگا۔ فرمایا گیا:

''تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور رہنے چاہییں جو خیر کی طرف بلائیں' بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے'' (آلِ عمران:104)۔

اس کام کی اہمیت وضرورت کا انحصار بڑی شدومد کے ساتھ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے کہ جس میں کہا گیا کہ اس کام کو نہ کرنے والوں کی دعائیں سنی اَن سنی کردی جاتی ہیں۔ فرمایا گیا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری زندگی ہے (اے امتِ مسلمہ) تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسے خطرناک عذاب میں مبتلا کردے گا کہ اس سے نجات پانے کیلئے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے مگر وہ تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کرے گا'' (ترمذی' ابواب الفتن)

یہ ایک کام ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''کرو'' لیکن مسلمان ہیں کہ نہیں کر رہے۔ کام کرنے کی تو بعد کی بات ہے' دورِ حاضر کے مسلمان وہ اہلیت اور صلاحیت ہی کھو بیٹھے ہوئے ہیں جو انہیں اس قابل بنائے کہ وہ یہ کام اور فرضِ عین کرنے کے قابل ہوسکیں۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر 104 کو پھر پڑھیں جس میں دنیا میں ایسے گروہ کا ہونا لازم قرار دیا گیا ہے کہ جو نیکی کا حکم (امر) دے اور برائیوں سے روکے (نہی عن المنکر)۔ یہ حکم دینے اور برائی سے روکنے کا عمل مسلمان ایک ہی صورت میں کرسکتے ہیں کہ وہ دنیا میں غالب حیثیت سے ہوں یعنی اس کے پائے کی کوئی دوسری طاقت زیرِ آسماں نہ ہو۔ اس کے برعکس زمینی حقائق یہ ہیں کہ وقت کے موجودہ موڑ پر امتِ مسلمہ مغلوبیت کا شکار ہے' دنیا کی قائدانہ سیٹ پر تو کفار ومشرکین براجمان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مسلمانانِ عالم سے امر بالمعروف ونہیں عن المنکر کا کام نہیں ہو رہا۔ یعنی وہ کام مسلمانوں سے نہیں ہو رہا ہے جو امتِ مسلمہ کی تخلیق اور ان کے وجود کا مظہر ہے۔

قلم اگر اپنے مقصدِ وجود یعنی لکھائی کی اہلیت کھودے تو اسے چار و ناچار ردی کی ٹوکری

میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جیسے قینچی اور کھرپہ کترنے اور نلائی کرنے کی اہلیت کھو دیں تو انہیں کباڑ خانے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ امتِ مسلمہ جب اپنے مقصدِ وجود کے قابل نہ رہی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو سرانجام نہ کر پائی تو آج ذلت و رسوائی اور پستی و گراوٹ کے قعرِ مذلت میں پھینک دی گئی۔ قصور اس کا برملا اور واضح کہ جس کام کو فرمایا گیا کہ ''کرو وہ نہیں کر رہی''۔

دوسرا کام جسے اللہ تعالیٰ کا کہنا تو یہ کہ ''نہ کرو'' اور امتِ مسلمہ اسے ہی کر رہی ہے' یہود و نصاریٰ سے دوستی کا ہے۔ قرآنِ مجید کو پڑھیں' بار بار پڑھیں' فرمایا گیا:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو اپنا رفیق نہ بناؤ' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی انہیں اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار پھر انہی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے'' (مائدہ: 51)۔

دوستی جس سے منع فرمایا گیا ہے ایسی نہیں کہ ان کے ساتھ بول چال بھی نہ رکھی جائے۔ اسلام والوں کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے کردار و افعال سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کریں۔ منع جس دوستی سے کیا گیا ہے وہ ہے جو دوستی کی آڑ میں دشمنی ہو۔ اور تو اور اللہ تعالیٰ ان باپوں اور بھائیوں سے وابستگی کو بھی پسند نہیں کرتا جن کا میلان کفر کی طرف مائل ہو۔ چنانچہ فرمایا گیا:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے'' (توبہ: 23)۔

ایک مسلمان کو پوری انسانیت کی فلاح مطلوب ہے۔ اسلام ہے ہی انسانیت کا دین۔ بنابریں اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کوئی' کسے باشد' اسلام یا دینِ فطرت کی طرف آئے۔ اس پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ہر نماز میں ان لوگوں کے راستے سے پناہ طلب کرے جن پر اللہ کا

غضب ہوا اور جو گمراہ ہو گئے۔(فاتحہ:7)۔

اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو منافق قرار دیتا ہے جو اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں، حتیٰ کہ مسلمانوں کو ایسی مجلس میں بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے جہاں اللہ کی بات کا انکار اور مذاق اڑایا جا رہا ہو۔قرآنِ مجید میں آیا:

''اور جو منافق اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان سے یارانہ رکھتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کیلئے ہے۔اللہ اس کتاب میں پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی اسی طرح کے ہو۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے'' (نساء:139-140)۔

متعدد میں سے ہم نے ان چند آیات کا ذکر کیا ہے جو تاکید کرتی ہیں کہ ''نہ کرو دوستی یہود و نصاریٰ سے''۔اس کے مقابلے میں دورِ حاضر کے مسلمان بالخصوص ان کے حکمران بضد ہیں کہ وہ ایسی دوستی کریں گے اور کر رہے ہیں۔تو یہ ہے دوسرا ناواجب کام کہ جسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''نہ کرو اور مسلمانانِ عالم ہیں کہ کر رہے ہیں''۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کرنے کا حکم ہے مسلمان نہیں کر رہے۔ یہود و نصاریٰ سے حکم ہے دوستی نہ کرنے کا اور مسلمان ہیں کہ ایسے میں بھی دوستی کر رہے ہیں جبکہ یہود و نصاریٰ کھلم کھلا اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔مسلمانوں میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ "Friends not masters" جب کہ اصلیت یہ ہے کہ "Masters not friends"۔نتیجہ اس کا یہ کہ امتِ مسلمہ آج کی دنیا میں مغلوب ہی نہیں معتوب بھی ہے۔

ہماری دیگر تصانیف

نام کتاب	مصنف	قیمت
کتاب خلافت (پہلا ایڈیشن)	چودھری رحمت علی	50روپے
کتاب خلافت (دوسرا ایڈیشن)	چودھری رحمت علی	250روپے
جواز خلافت (اسلام انسانیت کا دین ہے)	چودھری رحمت علی	50روپے
خلافت ہمارے جملہ مسائل کا حل (کتابی شکل)	چودھری رحمت علی	50روپے
اسلام پر کیا گزری؟	چودھری رحمت علی	15روپے
شہادت علی الناس۔ ہمارا فرضِ منصبی	چودھری رحمت علی	20روپے
خلافت راشدہ	پروفیسر عبدالجبار شاکر	15روپے
عصرِ حاضر کے مسلمان اور اسلام	چودھری رحمت علی	20روپے
قرار دادِ مقاصد میں وائرس	مہندس محمد اکرم خان سوری	125روپے
انسانیت کا دین؟ جمہوریت یا خلافت	ڈاکٹر نجم الدین	50روپے
الہ العالمین اور انسان	ڈاکٹر نجم الدین	250روپے

نوٹ:۔ پورا سیٹ -/800 روپے میں مہیا کر دیا جائے گا۔ ڈاک خرچہ بذمہ ادارہ

"سبق پھر پڑھ" کی جلدیں

جلد پنجم	جنوری 2005 تا دسمبر 2006
جلد ششم	جنوری 2007 تا دسمبر 2008
جلد ہفتم	جنوری 2009 تا دسمبر 2010
جلد ہشتم	جنوری 2011 تا دسمبر 2012
جلد نہم	جنوری **2013** تا دسمبر **2014**
جلد دہم	جنوری **2015** تا دسمبر **2016**

قیمت فی جلد -/250 روپے
ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

ملنے کا پتہ: دارُالسلام واپڈا ٹاؤن، لاہور۔ فون 0300 - 8425428

Cell: 0300 - 8425428
Phone: 042 - 35187003
Fax: 042 - 35187003

Monthly
SABAQ PHIR PARRH
Lahore

Regd: CPL No. 91
Web: www.azmateislam.com
Email: khalafat@hotmail.com

ریاستِ مدینہ

حکومتِ وقت کی آج ریاستِ مدینہ کی طرز کی ریاست مسلمانانِ پاکستان بلکہ مسلمانانِ عالم کیلئے ایسی خوش کن صدائے سکون ہے کہ جس کی ٹھنڈک فرشتے بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اسی خواہش کو وہ روح بھی محسوس کرتے ہونگے جو اللہ کے ہاں چلے گئے اس لیے کہ پاکستان کا وجود ہی اس غرض کیلئے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ ایک ایسی اسلامی ریاست کو معرضِ وجود میں لایا جائے گا جو قرآن وسنت کے کام کو بطور نمونہ کا پتہ دے گی۔

شاید یہ حقیقت ہمارے ذہن میں نہیں سماتی کہ ایسی ریاست صرف ایک ہی صورت میں وجود پذیر ہوسکتی ہے کہ انسان ساختہ آئین جو ہمارے ہاں اس وقت ہے کی بجائے قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنایا جائے۔ دورِ نبوت میں بھی مدینہ میں ایسی ریاست کبھی معرضِ وجود میں نہ آتی اگر 73ء کی طرح کا انسان ساختہ آئین بروئے کار لایا جاتا۔ دراصل مدینہ طرز کی ریاست کا نام لینے سے پہلے یہ اعلان ہونا چاہیے تھا کہ ہمارے ہاں مملکتِ عزیز میں قرآن وسنت بلکہ قرآن ہی آئینِ مملکت ہوگا کیونکہ قرآن میں خود سنت شامل ہے۔ اور تو اور محمد علی جناحؒ سے جب آئینِ پاکستان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں آئین چودہ سو سال پہلے کا یعنی قرآنِ مجید ہے۔ سخت غلطی پر ہے وہ جو ہمارے ہاں موجودہ یعنی اللہ ساختہ آئین کی بجائے انسان ساختہ آئین سے مدینہ کی سی ریاست قائم کرنے کی امید رکھے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر تا قیامت ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ سو بات کی ایک بات ہے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر مدینہ کی سی ریاست کو معرضِ وجود میں لانے کی خواہش ایسے ہی ہے جیسے کہ وضو کیے بغیر نماز کا ادا کرنا۔

الداعی الی الخیر:
تحریکِ عظمتِ اسلام
دارالسلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور
فون: 0300-8425428, 0321-4114584